بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

ماہنامہ انٹرنیٹ گزٹ
المنار

مدیر: مقصود الحق
نائب مدیر: مبارک احمد صدیقی
منیجر: سید نصیر احمد

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ
53, Melrose Road, London, SW18 1LX
فون: 020 8877 5510 فیکس: 020 8877 9987
ای میل: ticassociation@gmail.com

جون 2012ء
جلد نمبر 2 شمارہ نمبر 6

فرمان الٰہی

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ○

ترجمہ: بعض آدمی ایسے (بھی) ہوتے ہیں جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے اپنی جان کو بیچ (ہی) ڈالتے ہیں اور اللہ (اپنے ایسے مخلص) بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت 208)

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے سارے کام برکت ہی برکت ہوتے ہیں۔ یہ فضل صرف مومنوں کیلئے مختص ہے۔ اگر اس کو کوئی خوشی و مسرت اور فراخی نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے اور اس کی شکرگزاری اس کیلئے مزید خیر و برکت کا موجب بنتی ہے۔ اور اگر اس کو کوئی دکھ رنج تنگی اور نقصان پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے۔ اس کا یہ طرزِ عمل بھی اس کیلئے خیر و برکت کا ہی باعث بن جاتا ہے کیونکہ وہ صبر کر کے ثواب حاصل کرتا ہے۔ (مسلم کتاب الذھد باب المومن امرہ کلہ خیر)

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یعنی انسانوں میں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے..... خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا کی راہ میں جان بیچ دیتا ہے۔ اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعتِ خالق اور خدمتِ خلق کیلئے بنائی گئی ہے.....” (رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب صفحہ 132-131)

سائنس اور ریسرچ کا میدان

☆ آج کل مثلاً یہاں (U.K) کے مقامی لوگوں میں سائنس کے مضامین پڑھنے کی طرف بہت کم رجحان ہے، ریسرچ کی طرف جانے کا بہت کم رجحان ہے اور اس کا اظہار اخباروں میں بھی ہو رہا ہے اور بڑی فکر مندی کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں اگر یہی صورت حال رہی تو ہمیں آئندہ ریسرچ کے لئے سائنسدان نہیں ملیں گے۔ اس لئے میں احمدی بچوں کو کہتا ہوں کہ اپنی پڑھائی کی طرف خاص طور پر توجہ دیتے ہوئے سائنس کے میدان میں بھی آگے بڑھیں اور یہ چیز ایسی ہے جس سے یہ لوگ، یہ قومیں، یہ مغرب مجبور ہوگا کہ اس مضمون کی اہمیت کی وجہ سے جو آپ نے پڑھا ہوا ہے آپ کو اپنے اندر جذب کرے۔

☆ پس آج آپ طلباء اگر ارادہ کرلیں کہ سائنس کے میدان میں اتنا آگے بڑھنا ہے کہ آئندہ اس ملک کی سائنسدانوں کی جو ضرورت ہے وہ آپ نے پوری کرنی ہے تو یہ اسلام کے نام کو روشن کرنے والا ایسا کام ہوگا جس سے جیسا کہ میں نے کہا یہ قومیں مجبور ہوں گی کہ پھر اسلام کے خلاف کوئی بات نہ کرسکیں۔

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کے اجتماع سے خطاب، از مشعل راہ جلد پنجم حصّہ چہارم صفحہ 88)

میں اپنے پیاروں کی نسبت ہرگز نہ کروں گا پسند کبھی
وہ چھوٹے درجہ پر راضی ہوں اور ان کی نگاہ رہے نیچی

☆☆☆

وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اُمید لگائے بیٹھے ہوں
وہ ادنیٰ ادنیٰ خواہش کو مقصود بنائے بیٹھے ہوں

☆☆☆

اے میری الفت کے طالب یہ میرے دِل کا نقشہ ہے
اب اپنے نفس کو دیکھ لے تو وہ ان باتوں میں کیسا ہے

(انتخاب از کلام محمود)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے واقعات

ہر جگہ تشبیہوں سے کام نہیں چلتا

ایک شخص کسی بزرگ کی اولاد میں سے تھے اور سخت بیمار تھے۔ میں نے ایک مرتبہ اُن سے کہا کچھ پڑھنا اور سیکھنا چاہیے۔ کہنے لگے بندر سیکھا کرتے ہیں، بھلا کہیں شیر بھی سیکھتے ہیں۔ ہم شیروں کی اولاد ہیں، بندروں کی اولاد نہیں! سیکھنا ہمارا کام نہیں! میں نے کہا حضرت تشبیہوں سے تو کام نہیں چلتا۔ باز سیکھ جاتے ہیں لیکن کوّے نہیں سیکھتے۔ وہ اسقدر ناراض ہوئے کہ علاج موقوف کردیا۔

تیری اِس بات کا بھی ردّ ہوگیا

سورۃ المرسلات ہوئے جب یہ آیت آئی فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ تو ایک شخص نے مجھ سے کہا تمہاری ساری حدیثوں کا تو ردّ ہوگیا! میں نے کہا تیری اِس بات کا بھی ردّ ہو گیا۔

سبق آموز

''میں افریقہ میں تھا اور ڈاکٹر رحمت علی صاحب (حضرت حافظ روشن علی صاحب کے بھائی۔ ناقل) اور منشی محمد ابراہیم صاحب ٹھیکیدار وغیرہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت اقدس کا ایک اشتہار اپنی جماعت کو تنبیہ کے عنوان سے پہنچا جس میں حضرت نے حقہ نوشی کی مجلسوں میں شریک ہونے والوں سے اظہار رنج فرمایا ہوا تھا۔ ڈاکٹر رحمت علی اور منشی محمد ابراہیم صاحب کو حقہ نوشی کی سخت عادت تھی مگر اس اشتہار کو پڑھ کر ہر دو صاحبوں نے عزم صمیم کرلیا کہ اب حقہ نوشی نہ کریں گے چنانچہ وہ دن اور آج کی گھڑی کہ پھر یہ صاحب حقہ کے نزدیک نہیں گئے۔ حضرت اقدس فرمایا کرتے ہیں کہ عادات کو ترک کرنا اور ان میں تغیّر پیدا کرنا اسی کا نام کرامت ہے ایسی بدعادات کو ترک کرنے سے انسان کو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔'' (از بابو محمد افضل افریقوی البدر یکم فروری 1904ء صفحہ 11، بحوالہ الفضل ربوہ 11 نومبر 2011ء)

''اِنہیں وہ دونوں علماء تو دکھا دیں''

ایک دفعہ ایک آدمی قادیان میں بارہ نمبرداروں کے ساتھ آیا۔ وہ صرف تحقیق کے لئے آیا تھا۔ ایک رات منشی ظفر احمد صاحب کو کہنے لگا کہ ''مرزا صاحب کی عربی تحریریں بہت پایہ کی ہوتی ہیں۔ ضرور انہوں نے کوئی عرب ملازم رکھے ہوئے ہوں گے جو لکھ کر دیتے ہوں گے۔'' منشی ظفر احمد صاحب نے کہا کہ ''ہاں دو علماء رات کو ہوتے ہیں ایک تو حافظ معین الدین صاحب اور دوسرے مولوی چراغ صاحب'' حضرت اقدس بھی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ حضور بہت ہنسے۔ اگلے دن وہی مولوی پھر آیا تو حضورؑ نے منشی صاحب سے فرمایا کہ ''انہیں وہ دونوں علماء دکھا تو دیں۔'' منشی صاحب نے چراغ دین اور معین الدین کو بلا کر مولوی صاحب کے سامنے کھڑے کر دیئے۔ چراغ ایک ان پڑھ بافندہ تھا اور معین الدین ایک نابینا فقیر جو حضرتؑ کے پاؤں دبایا کرتا تھا۔ اس پر مولوی صاحب کے شکوک دور ہو گئے اور بیعت کر لی۔ (روایت منشی ظفر احمد صاحب صفحہ 51-108 سیرۃ المہدی حصہ اوّل روایت 777)

(بحوالہ کتاب ''مضامین شاکر'' مضامین مکرم عبدالرحمٰن شاکر صاحب مرحوم صفحہ 53)

المنار نیوز لائن

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے تحت قائم کی گئی مجلس علم وعمل نے 11 مئی 2012 کو نور ہال' بیت الفتوح میں مکرم طاہر عارف صاحب کے ساتھ ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا جو مکرم وسیم باری صاحب نے کی۔ جس کے بعد مکرم عطاء الاعلیٰ ظفر صاحب نے دُرِّ ثمین کے چند اشعار خوش الحانی سے پیش کئے۔

مکرم ومحترم عطاء المجیب راشد صاحب صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ نے مجلس علم وعمل کے قیام کا مقصد بیان کرنے کے بعد اس مجلس کے افتتاحی اجلاس کے مہمان خصوصی مکرم طاہر عارف صاحب کو خوش آمدید کہا۔ اور حاضرین مجلس کو بتایا کہ مکرم طاہر عارف صاحب تعلیم الاسلام کالج سے تعلیم یافتہ ہیں۔ سی ایس ایس کے امتحان میں کامیابی کے بعد آپ محکمہ پولیس سے منسلک ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ترقی کرتے ہوئے I.G کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ ایک معروف قلمکار اور شاعر ہیں اور آپ کے دو شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

اس تعارف کے بعد مکرم طاہر عارف صاحب نے تعلیم الاسلام کالج میں گزرے ہوئے دنوں کی خوبصورت یادیں انتہائی دلنشیں اور پر لطف انداز میں بیان کیں جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے اور ہال وقفے وقفے سے قہقہوں سے گونجتا رہا۔

مختصر وقفے کے بعد شاعری کے دور کا آغاز ہوا۔ جس میں مکرم طاہر عارف صاحب نے اپنا پُر اثر اور خوبصورت کلام سنا کر حاضرین محفل سے خوب داد حاصل کی۔ اس محفل میں ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کے علاوہ، ادب سے دلچسپی رکھنے والے دیگر احباب بھی موجود تھے۔ مکرم طاہر عارف صاحب کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

آقا ترا غلام ترے پاس ہو کبھی	قدموں میں لوٹ جائے بدن گھاس ہو کبھی
میں نے دیکھا تھا آسماں کی طرف	دیکھتا اے خدا تُو بھی تھا
دور اتنا کہ گونج تک نہ سنے	پاس اتنا کہ رو برو بھی تھا
میرِ مجلس ہو پل کو آجاؤ	غم کا اجلاس ہے، رہے نہ رہے
تیری باتیں ہیں شبنمی قطرے	زندگی پیاس ہے رہے نہ رہے
شوق سے شرحِ شریعت کیجئے	ہاں مگر اس میں شریعت کچھ تو ہو
آدمی کو آدمی تو جانئے	آپ میں بھی آدمیت کچھ تو ہو
شعر طاہر آپ پڑھئے شوق سے	اُن کو بھی ذوقِ سماعت کچھ تو ہو

خشک افریقہ کے نیچے پانی ہی پانی

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ خشک سالی کے لئے مشہور برِّ اعظم افریقہ کے نیچے پانی کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ 283 تحقیقاتی تجزیوں کے مطابق بہت سے ممالک جنہیں انتہائی کم پانی والے قرار دیا جا چکا ہے ان کے نیچے پانی کے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ ''اینوائرمینٹل ریسرچ لیٹرز'' نامی جریدے کے مطابق پورے کرہ ارض کے اندر موجود پانی کا کل حجم زمین کی سطح پر موجود پانی سے سو گنا زیادہ ہے۔

(بی بی سی اردو ڈاٹ کوم 20 اپریل 2012)

یادوں کے دریچے

(نثار محمد خان)

ایک روز میں کیمسٹری لیبارٹری کے سامنے برآمدے میں کھڑا اس انتظار میں تھا کہ گھنٹہ بجے تو اندر جاؤں۔اتنے میں پرنسپل (حضرت میاں ناصر احمد صاحب) اپنی کوٹھی سے نکل کر آتے ہوئے نظر آئے۔۔ٹوپی سر پر نہ ہونے کی بناء پر باز پُرس کے ڈر سے میں ستون کی آڑ میں چُھپ کر کھڑا ہو گیا۔میاں صاحب قریب پہنچے تو فرمایا! نثار اِدھر آؤ! میرے سامنے آنے پر فرمایا! چُھپنے کی نہیں ٹوپی سر پہ رکھنے کی ضرورت ہے۔کالج رُولز کے مطابق اگر آئندہ ٹوپی سر پر نہ ہوئی تو جرمانہ ہوگا۔یہ کہہ کر آپ آگے چلے گئے۔میں حیران تھا کہ انہیں میرا نام ابھی تک یاد ہے۔حالانکہ 1957 میں جب میں نے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بی ایس سی میں داخلہ لیا تو بس اُسی وقت حضورؒ سے مختصر سی ملاقات ہوئی تھی۔مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوئی کہ آپ نے سرزنش بھی کی تو کس سادگی اور محبت کے ساتھ۔چنانچہ اس کے بعد میں نے ٹوپی پہننے کو اپنا شعار بنا لیا۔

کالج کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں ٹیلی گراف اور ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ میں ہری پُور ہزارہ چلا گیا۔ایک دو سال کی ٹریننگ کے بعد کراچی میں تعینات ہوا۔ان دنوں مائیکروویو کمیونیکیشن ٹیکنالوجی پاکستان میں نئی نئی آئی تھی۔اس کی ٹریننگ لی۔جس سے مجھے بڑی برکتیں نصیب ہوئیں اور مائیکروویو سسٹم کی تنصیب اور اس کے آپریشن میں اپنے دیگر 18 ساتھیوں کی نسبت بہت نمایاں مقام اللہ کے فضل سے حاصل ہوا۔الحمدللہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے 1971 میں ایک خطبۂ جمعہ میں کانو (نائیجیریا) میں جماعتی ریڈیو سٹیشن قائم کرنے کے منشاء کا اظہار فرمایا تھا۔چنانچہ میں نے اس کیلئے خود کو وقف کی غرض سے پیش کر دیا اور حضورؒ نے میری اس درخواست کو فوراً قبول فرما لیا۔چونکہ میں نے وائرلیس ٹیکنالوجی میں بھی ٹریننگ لی ہوئی تھی اس لئے حضورؒ نے مجھے کانو کے احمدیہ براڈ کاسٹنگ سٹیشن کا پراجیکٹ اور دیگر تفصیلات تیار کرنے کی ذمے داری سونپ دی۔خاکسار نے بڑی محنت سے اس کی فزیبیلیٹی رپورٹ اور ورکنگ پلان تیار کر کے حضورؒ کی خدمت میں پیش کیا۔مجھے یاد ہے کہ یہ گرمیوں کے دن تھے اور میں کراچی سے کئی مرتبہ ربوہ آیا کرتا تھا۔حضورؒ عموماً رات 10 بجے کے بعد قصرِ خلافت کے اُوپر والے (ائر کنڈیشنڈ) کمرے میں ملاقات فرماتے تھے۔بعض اوقات رات کے 2 بجے تک اس مجوّزہ ریڈیو سٹیشن کی تفصیلات طے ہوا کرتی تھیں اور حضورؒ اپنے قیمتی مشوروں اور راہنمائی سے نوازتے تھے۔ابھی یہ منصوبہ ابتدائی مراحل ہی میں تھا کہ نائیجیریا میں حکومت تبدیل ہوگئی اور مارشل لاء لگ گیا۔جنرل یعقوبو گوون کی حکومت نے ہمارے کانو کے ریڈیو سٹیشن کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور یوں ایک اہم کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔اس پر میرا دل بہت پژمردہ ہوا۔ایک دن ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حضورؒ نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ فرمایا کہ نثار! اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کو ضائع نہیں کرے گا اور آپ کو اپنے فضلوں سے نوازے گا۔آپ کے اس ارشاد نے میرے دل کی حالت کو سنبھلنے میں بہت مدد دی اور میری پژمردگی کی کیفیت جاتی رہی۔

اس کے کچھ عرصے بعد میرا تبادلہ کراچی سے سکھر ہو گیا۔جہاں سے قریباً 16 میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے گاؤں کے باہر "سنیٹو مائیکروویو" کا میٹیننس سینٹر تھا۔وہاں میرے ساتھ کام کرنے والوں میں جماعت اسلامی اور مجلس احرار کے لوگ بھی تھے۔میں تبلیغ میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتا تھا۔چنانچہ اس بناء پر ان لوگوں نے میری شدید مخالفت شروع کر دی۔وفاتِ مسیح اور ختمِ نبوّت پر میرے دلائل سے عاجز آ کر ایک دن انہوں نے گھیرا ڈال کر مجھے خوب مارا پیٹا۔یہاں تک کہ میرا خون بہنے لگا۔میں نے فوراً سکھر جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو دعا کے لئے ٹیلیگرام بھجوائی۔اسپر حضورؒ کی طرف سے بہت ہی ڈھارس والا محبت بھرا خط ملا جس میں حضورؒ نے تحریر فرمایا ''پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا.....'' نیز حضورؒ نے مجھے بہت سی دعاؤں سے بھی نوازا۔جن کا ایک صلہ تو بہت جلد مل گیا۔اور وہ یوں کہ مجھے ایران میں مائیکروویو کے ایک بہت بڑے پراجیکٹ کے لئے چُن لیا گیا۔اور میں سکھر میں ان شیطانوں کے چنگل سے نکل کر ایران پہنچ گیا۔جہاں باعزّت طریق پر بڑے آرام اور پہلے سے بہت بہتر تنخواہ کے ساتھ کام سرانجام دینے لگا۔

"MACBETH" کے دیس میں

منور احمد نمی۔گلاسکو

اُن دنوں انگلستان جانے کا خیال میرے دل و دماغ کو جنون کی حد تک چُھو رہا تھا۔یہ بات تب کی ہے جب میں ابھی تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں زیرِ تعلیم تھا۔ایک روز دوران لیکچر شیکسپیئر کے ناول کے مشہور کردار "MACBETH" کا ذکر چل رہا تھا۔میں اپنے ہی خیال میں ڈوبا ہوا دن دیہاڑے "MACBETH" کے دیس سکاٹ لینڈ کے خواب دیکھنے میں مگن تھا۔ہمارے انگلش کے پروفیسر صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب نے مجھے کسی اور ہی دنیا میں گم پایا تو اچانک مجھ پر ایک سوال کر دیا۔جواب تو خیر میں نے کیا دینا تھا ہڑبڑا کر خفت مٹانے کی خاطر کہہ دیا "Sir, I am roaming about in Scottland"۔

ہمارے بڑے بھائی منصور بی ٹی مرحوم گلاسگو۔سکاٹ لینڈ میں مقیم تھے۔چنانچہ اُن کے ایماء اور اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے میں بھی 1961 میں سکاٹ لینڈ آ گیا، جسے تا دمِ تحریر اپنا وطنِ ثانی سمجھتا ہوں۔ایک دفعہ جلسہ سالانہ U.K پر مکرم مرزا خورشید احمد صاحب سے اچانک ملاقات ہوگئی۔انہوں نے پوچھا "منوّر! کہاں ہوتے ہو؟ میں نے برجستہ عرض کیا سر!"MACBETH" کے دیس میں۔میاں صاحب میرے اس جواب سے بہت محظوظ ہوئے۔

ٹی آئی کالج ربوہ میں گزرا ہوا 4 سال کا عرصہ زندگی کی پُر لطف اور بعض سبق آموز یادوں سے بھرا پڑا ہے جہاں شروع ہی سے میری توجہ مباحثوں اور تقریری مقابلوں میں حصہ لینے کی طرف ہو گئی۔شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ مجھے سکول کے دنوں میں مکرم عطاء المجیب راشد صاحب کے ہمراہ جھنگ ڈسٹرکٹ کے تقریری مقابلوں میں شامل ہونے کا موقع ملا تھا اور ہم ٹرافی جیت کر ربوہ لوٹے تھے۔ہماری کالج یونین کے انچارج مکرم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب مرحوم تھے۔مغربی پاکستان کے مختلف کالجوں سے ہمارے کالج کو Debate Invitations ملا کرتی تھیں۔

ہمارے پرنسپل صاحب کالج کے طلبہ کا تربیتی لحاظ سے بھی بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ایک دفعہ ہم کلاس روم میں فارغ بیٹھے ہوئے تھے۔اچانک کیا خیال آیا اور کچھ لڑکوں نے ٹوپیوں کے ساتھ "والی بال" کھیلنا شروع کر دیا۔اس کھیل کے دوران اتفاق سے ایک ٹوپی سیلنگ فین سے جا ٹکرائی۔جس سے چلتا ہوا پنکھا off ہو کر دم توڑ گیا۔اسپر سب کی ہوائیاں اُڑ گئیں اور کلاس روم میں سناٹا چھا گیا۔اور اس تخریبی کاروائی کی اطلاع چشم زدن میں پرنسپل صاحب تک پہنچ گئی۔ہم سب خائف تھے کہ نہ جانے پرنسپل صاحب کا اندازِ جلالی کیا رنگ دکھائے گا۔ظاہر ہے کہ اس نقصان پر انہیں ایکشن لینا تھا جو انہوں نے لیا اور ہمیں بطور سزا 35 روپے جرمانہ کر دیا گیا۔اُس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک Heavy فائن تھا جو ہمیں ادا کرنا تھا۔والد صاحب کی ناراضگی کے ڈر سے میں نے انہیں بھی اس کی خبر نہ ہونے دی۔اللہ بھلا کرے جنید ہاشمی صاحب کا، جنہوں نے مجھے حوصلہ دیا کہ اپنی غلطی تسلیم کر کے پرنسپل صاحب کی خدمت میں معافی نامہ لکھ دو۔میں کوشش کروں گا کہ میاں صاحب جرمانہ معاف کر دیں یا کچھ reduce کر دیں۔چنانچہ میں نے اقرارِ گناہ اور اظہارِ ندامت کے طور پر درخواست بہت خوشخط تحریر میں لکھ دی۔۔چند لمحوں بعد میں میاں صاحب کے رُوبرو موجود تھا۔آپ نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا بیٹھو۔پھر فرمایا کچھ باتیں کچھ لوگوں کو زیب نہیں دیتیں۔تمہارے ابا (علی محمد) بی ٹی صاحب تو میرے استاد ہیں۔میں نظریں نیچی کئے حضورؒ کی بات سنتا رہا۔میرا خیال تھا کہ آپ میری درخواست برائے معافی نامہ کے متعلق بھی کچھ فرمائیں گے۔مگر آپ نے اس بارے میں کچھ نہ کہا اور فرمایا اب تم جا سکتے ہو۔میں بوجھل قدموں سے پرنسپل صاحب کے کمرے سے نکلنے لگا تو مجھے واپس بلا لیا۔میں پُرامید سا ہو کر واپس پلٹا تو فرمایا کہ جرمانہ تو تم دو گے خواہ قسطوں میں سہی (تا کہ یہ جرمانہ تمہیں یاد دلاتا رہے کہ کچھ باتیں کچھ لوگوں کو زیب نہیں دیتیں)۔مگر تمہارا خوبصورت لکھائی والا یہ خط میرے سامنے رہے گا تا کہ مجھے احساس ہوتا رہے کہ میرا ہینڈ رائٹنگ بھی اتنا خوبصورت ہونا چاہئے۔حضرت میاں صاحب کی بامقصد سرزنش کے بعد آپ کی اس دلجوئی کے نتیجے میں میری طبیعت پر سے اس جرمانے کا بوجھ فوراً ہی اتر گیا۔

واللہ یھدی من یشاء

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی روایت سے ایک ایمان افروز واقعہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اپنی کتاب ''سیرت طیبہ'' میں صفحہ 142-143 پر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی اور جماعت احمدیہ کے ایک جید عالم تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ مردان کا ایک شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ کی طب کا شہرہ سن کر آپ سے علاج کرانے کی غرض سے قادیان آیا۔ یہ شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سخت ترین دشمن تھا اور بمشکل قادیان آنے پر رضامند ہوا۔ اور اس نے قادیان آکر اپنی رہائش کیلئے مکان بھی احمدی محلہ سے باہر لیا۔ جب حضرت خلیفہ اولؓ کے علاج سے اسے خدا کے فضل سے افاقہ ہو گیا اور وہ اپنے وطن واپس جانے کیلئے تیار ہوا تو اس کے ایک احمدی دوست نے اسے کہا کہ تم نے حضرت مسیح موعودؑ کو تو دیکھنا پسند نہیں کیا مگر ہماری مسجد تو دیکھتے جاؤ۔ وہ اس بات کیلئے رضامند ہو گیا۔ مگر یہ شرط کی کہ مجھے ایسے وقت میں مسجد دکھاؤ جب مرزا صاحب مسجد میں نہ ہوں۔ چنانچہ یہ صاحب اسے ایسے وقت میں قادیان کی مسجد مبارک دکھانے کیلئے لے گئے جب نماز کا وقت نہیں تھا اور مسجد خالی تھی۔ مگر قدرت خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ادھر یہ شخص مسجد میں داخل ہوا اور ادھر حضرت مسیح موعودؑ کے مکان کی کھڑکی کھلی اور حضور کسی کام کے تعلق میں اچانک مسجد تشریف لے آئے جب اس شخص کی نظر حضرت مسیح موعودؑ پر پڑی تو وہ حضور کا نورانی چہرہ دیکھتے ہی بے تاب ہو کر حضور کے قدموں میں آگرا اور اسی وقت بیعت کر لی۔'' (سیرۃ المہدی حصہ اول روایت 73)

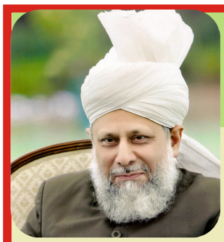

لندن / ۱۲-۳-۱۲ مکرم عطاء المجیب راشد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی طرف سے ''المنار'' کا مارچ 2012ء کا شمارہ موصول ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ ماشاء اللہ اچھی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کی ساری ٹیم کی خدمات قبول فرمائے اور سب کو بہترین اجر سے نوازے۔ آمین۔

والسلام

خاکسار

خلیفۃ المسیح الخامس

مکرم قریشی داؤد احمد صاحب لکھتے ہیں:

ممکن نہیں کہ تعلیم الاسلام کالج کی تنظیم کا رسالہ ہو اور اُس میں کالج کے پرنسپل حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا کسی نہ کسی رنگ میں تذکرہ نہ ہو۔ گو خاکسار تعلیم الاسلام کالج کا طالبعلم نہیں رہا لیکن طالبعلمی کے زمانہ کا ایک واقعہ جس کا تعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ہے ارسال ہے۔

غالباً ۱۹۷۹ء کی بات ہے۔ جامعہ احمدیہ ربوہ میں تعلیم کے دوران ہماری کلاس ہائیکنگ کی غرض سے وادی کاغان گئی۔ اس سفر میں ایک دو دن کے لیے ہمارا قیام مسجد نور راولپنڈی میں تھا۔ اُن دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اسلام آباد میں مقیم تھے۔ ہائیکنگ پر جانے سے قبل حضور نے از راہِ شفقت ہمیں شرفِ ملاقات بخشا اور ہم ہائیکنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔ واپسی پر بھی ایک روز کے لئے ہمارا قیام مسجد نور میں تھا۔ چنانچہ ہم مغرب کی نماز ادا کرنے اسلام آباد گئے اور حضور کی اقتداء میں نمازِ مغرب ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد مکرم امیر صاحب اسلام آباد نے ایک نوجوان کا تعارف حضورؒ سے کروایا جو الیکٹریشن تھا اور غالباً اس نے بجلی کا کوئی کام حضور کی رہائش گاہ پر کیا تھا۔ خاکسار اس دوست کے ساتھ کھڑا تھا۔ حضورؒ نے از راہِ شفقت خاکسار سے پوچھا آپ ان کے بھائی ہیں؟ خاکسار نے عرض کیا میں جامعہ احمدیہ کا طالبِ علم ہوں اور ہم ہائیکنگ سے واپس آئے ہیں۔ یہاں پر یہ بھی عرض کر دوں کہ ہائیکنگ پر جانے سے پہلے جامعہ احمدیہ میں ہمارے امتحانات بھی ہوئے تھے اور فطری طور پر ایسے طلباء جو علمی میدان میں زیادہ ہوشیار نہیں ہوتے انھیں نتیجہ کے بارہ میں کچھ زیادہ ہی فکر بلکہ تشویش لاحق ہوتی ہے۔ خاکسار کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اور ذہن میں یہ خیال بار بار نیش زنی کرتا تھا کہ ربوہ پہنچنے پر ہوسٹل میں لگے نوٹس بورڈ پر آویزاں نتیجہ تمہارا منتظر ہوگا۔ اس خیال سے جو دل کا حال ہوا، وہ مجھ جیسا طالب علم ہی سمجھ سکتا ہے (اور اگر موقع مل جاتا تو حضور کی خدمت میں امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کی درخواست ضرور کرتا) جب خاکسار نے عرض کیا کہ میں جامعہ احمدیہ کا طالب علم ہوں تو ایک لمحہ کے لئے حضورؒ نے اپنی شفقت بھری ایک نگاہ خاکسار پر ڈالی تو یوں محسوس ہوا جیسے نور کی ایک کرن حضور پر نور کی آنکھوں سے نکل کر میرے وجود میں سرایت کر گئی ہے جس کا سرور میں آج بھی محسوس کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد حضورؒ نے کسی سے کوئی بات نہ کی اور بالائی منزل پر تشریف لے گئے۔ حضورؒ کی اس محبت بھری نگاہ کے بعد پہلا یقین جو میرے دل میں میخ کی طرح گڑ گیا وہ یہ تھا کہ میں امتحان میں ضرور پاس ہو جاؤں گا اور نتیجہ کے بارہ میں جو فکر لاحق تھی وہ تسلی میں بدل گئی۔ چنانچہ اگلے روز جب ہم ربوہ پہنچے اور ہوسٹل میں آویزاں نوٹس بورڈ پر نتیجہ دیکھا تو خاکسار کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ترتیب وار کامیاب ہونے والے طلبہ کی فہرست میں پوزیشن کے لحاظ سے آخری نام میرا تھا۔ جبکہ کئی طلباء جو عمومی طور پر کلاس میں مجھ سے زیادہ قابل اور امتحانات میں اکثر اچھے نمبروں سے پاس ہوا کرتے تھے ایک یا دو مضامین میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ خاکسار آج بھی اس یقین پر قائم ہے کہ یہ محض میرے محسن آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی قوتِ قدسی اور اسی شفقت بھری نگاہ کا اعجاز تھا۔

(قریشی داؤد احمد مربی سلسلہ احمدیہ۔ گلاسگو)

سٹاپ پریس

مورخہ 26 مئی کو پچیس ممبران ایسوسی ایشن کو نامور تعلیمی شہر آکسفورڈ وزٹ کرنے کا موقعہ ملا۔ ممبران نے اس تعلیمی اور تفریحی پکنک سے خوب لطف اٹھایا۔ جس کی تفصیلی رپورٹ و تصاویر انشاء اللہ اگلے شمارے میں پیش کی جائیں گی۔

تعلیم الاسلام کالج کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد

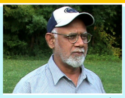

پروفیسر محمد شریف خان

تعلیم الاسلام کالج کی 2اپریل 1950ء کو پہلی کانوکیشن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیر صدارت تعلیم الاسلام کالج لاہور کے ہال میں منعقد ہوئی۔حضورؓ نے طلباء کو جو نصائح فرمائیں وہ آج بھی ہر احمدی طالب علم کی یقینی کامیابی کی ضمانت ہے۔حضورؓ نے فرمایا:

✿ ''یہ نہ سمجھو کہ اب تعلیم مکمل ہوگئی ہے۔ بلکہ اپنے علم کو باقاعدہ مطالعہ سے بڑھاتے رہو۔خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق سکون حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو، بلکہ ایک نہ ختم ہونے والی جدوجہد کیلئے تیار ہوجاؤ اور قرآنی منشاء کے مطابق اپنا قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو۔

✿ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ وہ آپ کو صحیح کام کرنے، اور صحیح وقت پر کام کرنے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کام کے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرے۔

✿ یاد رکھو کہ تم پر صرف تمہارے نفس ہی کی ذمہ داری نہیں۔تم پر اس ادارے کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہیں تعلیم دی ہے۔اور اس خاندان کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہاری تعلیم پر خرچ کیا۔خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔اور تمہارے ملک کی بھی ذمہ داری ہے کہ جس نے تمہاری تعلیم کا انتظام کیا اور پھر تمہارے مذہب کی بھی ذمہ داری ہے۔

✿ تمہارے تعلیمی ادارے کی جو تم پر ذمہ داری ہے وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طور پر استعمال کرو۔یونی ورسٹی کی تعلیم مقصود نہیں۔وہ منزل مقصود کو طے کرنے کیلئے پہلا قدم ہے۔یونی ورسٹی تم کو جو ڈگریاں دیتی ہے وہ اپنی ذات میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بلکہ ان ڈگریوں کو تم اپنے آئندہ عمل سے قیمت بخشتے ہو۔

✿ ڈگری صرف تعلیم کا ایک تخمینی وزن ہے۔ایک تخمینی وزن ٹھیک بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے۔محض کسی یونی ورسٹی کے فرض کر لینے سے کہ تم کو علم کا ایک تخمینی وزن حاصل ہوگیا ہے،تم کو علم کا وہ فرضی درجہ نصیب نہیں ہوسکتا جس کے اظہار کی یونی ورسٹی ڈگری کے ساتھ کوشش ہوتی ہے۔اگر ایک یونی ورسٹی سے نکلنے والے طالب علم اپنی آئندہ زندگی میں یہ بات ثابت کریں کہ جو تخمینی وزن ان کی تعلیم کا یونی ورسٹی نے لگایا تھا ان کے پاس اس سے بھی زیادہ وزن کا علم موجود ہے تو دنیا میں اس یونی ورسٹی کی عزت وقدر قائم ہوجائے گی۔لیکن ڈگریاں حاصل کرنے والے طالب علم اپنی بعد کی زندگی میں یہ ثابت کردیں کہ تعلیم کا جو تخمینی وزن ان کے دماغوں میں فرض کیا گیا تھا ان میں اس سے بہت کم درجے کی تعلیم پائی جاتی ہے تو یقیناً لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ یونی ورسٹی نے علم کی پیمائش کرنے میں غلطی سے کام لیا ہے۔

✿ تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یونیورسٹیاں اتنا طالب علم کو نہیں بناتیں جتنا طالب علم یونیورسٹیوں کو بناتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں یہ کہو لو کہ ڈگری سے طالب علم کی عزت نہیں ہوتی ہے۔پس تمہیں اپنے پیمانہ علم کو درست رکھنے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور اپنے کالج کی تعلیم کو اپنی عمر کا پھل نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اپنے علم کی کھیتی کا بیج تصور کرنا چاہئے اور تمام ذرائع سے کام لیکر اس بیج کو زیادہ سے زیادہ بارآور کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے تاکہ اس کوشش کے نتیجے میں ان ڈگریوں کی عزت بڑھے جو تم آج حاصل کر رہے ہو اور تمہاری قوم تم پر فخر کرنے کے قابل ہو۔

✿ تم ایک نئے ملک کے شہری ہو۔دنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی سی مملکت کے شہری ہو۔تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے،ایک غریب ملک ہے۔دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن اور سکون سے رہنے کے عادی ہوچکے ہو۔سو تمہیں اخلاق اور کردار بدلنے ہوں گے۔تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دنیا میں قائم کرنی ہوگی۔

✿ تمہیں اپنے ملک کو دنیا میں روشناس کرانا ہوگا،ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے۔لیکن ان کی عزت کو بنانا اس سے بھی دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے۔

✿ تم ایک نئے ملک کی نئی پود ہو۔تمہاری ذمہ داریاں پرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت زیادہ ہیں۔انہیں ایک بنی ہوئی چیز ملتی ہے۔انہیں آباء واجداد کی سنتیں یا روایتیں وراثت میں ملتی ہیں۔مگر تمہارا یہ حال نہیں ہے۔تم نے ملک بھی بنانا ہے اور تم نے نئی روایتیں بھی قائم کرنی ہے۔ایسی روایتیں جن پر عزت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں۔اور ان روایتوں کی راہنمائی میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔

✿ دوسرے ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم اس کے مقابلے میں ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو۔وہ اپنے کاموں میں اپنے باپ دادوں کے دیکھتے ہیں۔تم نے اپنے کاموں میں آئندہ نسلوں کو مدنظر رکھنا ہے۔

✿ بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا شاندار بھی ہے۔اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کرکے پاکستان کی عمارت کو مظبوط بنیادوں پر قائم کردو گے تو تمہارا نام اس محبت اور عزت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والوں میں نہیں پائے جائے گی۔

✿ پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم،استقلال اور علو حوصلہ سے قدم مارو۔قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزل اوّل بھی ہوتی اور منزل دوم بھی ہوتی ہے،منزل سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی.....ان کی منزل کا پہلا دور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہوکر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں۔وہ ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے۔

✿ پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو!اسلام کے بہادر سپاہیو!ملک کی امید کے مرکزو!قوم کے سپوتو!آگے بڑھو کہ تمہارا خدا،تمہارا دین،تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں۔''

(الفضل 15اپریل 1950ء)

جوسوتا ہے وہ کھوتا ہے

''سونا یعنی سوجانا دنیا کا واحد آرٹ ہے جو ہر شخص جانتا ہے۔اس دنیا میں ہر شخص سوتا ہے اور جو نہیں سوتا اسے بھی بالآخر سونا پڑتا ہے۔یوں تو سونے کے کئی آداب وضع کئے گئے ہیں۔لیکن یہ انسان کے ذاتی اختیار میں ہے کہ وہ کیسے سونا پسند کرتا ہے۔کوئی آنکھیں بند کر کے سوتا ہے تو کوئی کھول کر، کچھ لوگ تکیے کو بانہوں میں یا گھٹنوں میں دبا کر سوجاتے ہیں۔سوتے ہوئے کئی کا منہ ہکا بکا کھلا رہ جاتا ہے،تو کوئی سوتے سوتے میں بھی منہ سے رال ٹپکانا شروع کر دیتا ہے۔اصول تو یہی ہے کہ کسی بھی چیز کے رک جانے یا خاموش ہو جانے سے سکون پیدا ہوتا ہے،لیکن سونے کے معاملے میں یہ اصول الٹا ہوجاتا ہے۔یعنی کسی کے سونے سے دنیا پرسکون ہوجاتی ہے تو کسی کے سونے سے ماحول میں ارتعاش پیدا ہونے لگتا ہے۔کسی کے سونے کیلئے لوگ ''دعائیں'' مانگتے ہیں تو کسی کے ''نہ سونے'' کیلئے لوگ ''منتیں'' مانگتے ہیں۔کسی کے سونے سے رات کی پراسرار خاموشی میں اضافہ ہونے لگتا ہے تو کسی کے سوجانے سے یوں لگتا ہے جیسے ہیلی کا پٹر اور جنگی جہاز فضائی مشقوں میں مصروف ہوں۔اس طرح ایک فرد بھی سو جائے تو دوسرے سونے والوں کی نیند میں دراندازی کا مرتکب ہوتا رہتا ہے.... یہاں تک کہ ساتھیوں کو اس کی جوتی الٹی کرنی پڑتی ہے یا کسی بندے کو اپنی ''معطر جرابیں'' سُنگھا کر خراٹوں کا علاج کرنا پڑتا ہے۔

کچھ لوگوں کا تو مشغلہ ہی سونا ہوتا ہے۔صبح اُٹھنے کے بعد سونا، دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کرنے کے بہانے سونا، رات کے کھانے کے بعد سونا، دفتر میں کام کرتے ہوئے اونگھنا، کلاس روم میں نیند کے غوطے لینا، گریجوایٹ اسمبلی کا اجلاس کے دوران سونا، ناظرین و حاضرین کا سیمینار کے دوران ہچکولے کھانا وغیرہ وغیرہ..... ایسے لوگوں کو سونے کیلئے کوئی خاص جگہ درکار نہیں ہوتی۔ان کا کہنا ہے کہ نیند کا کیا ہے یہ تو سولی پر بھی آ جاتی ہے۔گدھے، گھوڑے بیچنے کے بعد بھی آ جاتی ہے۔لہٰذا ان افراد کو ''سوتُو'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو سونا پسند نہیں کرتے۔وہ بزرگوں کی اس بات سے ڈرتے ہیں کہ جو ''سوتا ہے وہ کھوتا ہے''۔سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کھوتا کون سے والا کھوتا ہے؟.... لہٰذا ہم ابھی اس ضرب المثل کے لفظ ''کھوتے'' کے ذومعنی ہونے پر تحقیق کرتے ہیں۔

کبھی کبھی چند مخصوص افراد کا سوجانا نقصان کا باعث بن سکتا ہے، جیسے گلی یا بینک کے چوکیدار کا سوجانا.... سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی گاڑی کے ڈرائیور کا سوجانا.... شوہر نامدار کارات کے خرنامے کے فوراً بعد سوجانا وغیرہ وغیرہ.....

مغل حکومت جب اپنے دور کے پانچ سات شہنشاہ بھگتا چکی اور تھک گئی تو اس پر نیند نے غلبہ پانا شروع کر دیا اور پھر وہ خواب غفلت کی نیند سوگئی۔یہی وجہ تھی کہ انہیں دہلی پر حملہ کرنے والے دہلی سے بہت دور نظر آتے تھے۔وہ شہنشاہ جاگتی آنکھوں اور سوتے ذہنوں کے ساتھ مینا و بلبل پکارتے رہتے اور مے و ساغر میں ڈوبے رہتے۔لہٰذا دشمن سر پر پہنچ گیا اور یہ خواب غفلت کی نیند سوتے سوتے ابدی نیند جا سوئے....

(ڈاکٹر وقار مسعود خان کی کتاب ''دال میں کچھ کالا ہے'' سے ماخوذ)

کیا کائنات لامحدود ہے؟

(آصف علی پرویز)

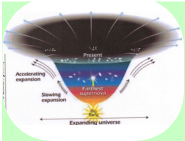

ماہرین فلکیات کیلئے مندرجہ بالا موضوع لمبے عرصے سے زیر بحث رہا ہے۔آج سے تقریباً پون صدی تک سائنس دان اس امر پر متفق تھے کہ کائنات پھیل نہیں رہی بلکہ کشش ثقل (Gravity) کے باعث بالآخر سکڑ جائے گی اور جس طرح اس کا آغاز ایک نقطۂ واحدہ سے بڑے دھماکہ (Big Bang) کے ذریعہ ہوا تھا۔اس طرح پھر کائنات سکڑ کر نکتہ واحدہ میں چلی جائے گی۔تاہم ایک مشہور ماہر فلکیات ایڈون ھبل (Edvin Hubble) نے بڑی بڑی دوربینوں کے مشاہدہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔سائنس کی دنیا میں یہ ایک انقلابی خبر تھی لیکن کیوں ایسا نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ (الذاریات)

اب سائنس دانوں کے سامنے یہ سوال زیر غور ہے کہ وہ کونسی طاقت ہے جو کشش ثقل کے برخلاف کائنات کو پھیلا رہی ہے۔سائنس دان مختلف نظریا، تجربات اور مشاہدات سے اس بات کے قائل ہو چکے ہیں کہ یقیناً ایسی طاقت خدا تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے وقت سے ہی پیدا فرمائی ہے۔چونکہ سائنس دان اسکی ماہیت کو حتمی طور پر جان نہیں سکے اس لئے انہوں نے اس کا نام سیاہ طاقت (Dark Energy) اور سیادہ مادہ (Dark Matter) رکھا ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق ماہرین فلکیات کا خیال ہے کہ تخلیق کائنات کے وقت جو تمام سیارے، ستارے، کہکشائیں وغیرہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائیں وہ کل مادہ کا محض 4 فیصد ہے اور باقی 96 فیصد سیاہ مادہ اور سیادہ طاقت کی شکل میں ہے۔یہ سوال سائنسی حلقوں میں خوب زیر بحث ہے کہ یہ 96 فیصد مادہ کہاں ہے۔بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ مادہ کائنات میں موجود کھربوں سیادہ سوراخوں (Black Holes) میں چھپا ہوا ہے اور اس مادہ کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب دو کہکشائیں آپس میں باہم ٹکراتی ہیں۔جس کے نتیجہ میں دونوں کہکشاؤں میں موجود سیاہ سوراخ (Black Holes) مل کر ایک اور بہت بڑا سیاہ سوراخ بن جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ کائنات کا علم ابھی تک بہت ہی محدود ہے اور ہر آن اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی یاد دلاتا ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ (ال عمران)

نثار میں تیری گلیوں کے

(فیض احمد فیض)

نثار میں تیری گلیوں کے، اے وطن کے جہاں	چلی ہے رسم، کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے	نظر چرا کے چلے، جسم و جاں بچا کے چلے
ہے اہل دل کیلئے اب یہ نظمِ بست و کشاد	کہ سنگ و خشت مقیّد ہیں اور سگ آزاد
بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے	کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے	کہ اب سحر ترے رخ پر بکھر گئی ہوگی
غرض تصورِ شام و سحر میں جیتے ہیں	گرفتِ سایۂ دیوار و در میں جیتے ہیں
یونہی ہمیشہ الجھتی رہی ہے ظلم سے خلق	نہ ان کی رسم نئی ہے، نہ اپنی ریت نئی
یونہی ہمیشہ کھلائے ہیں ہم نے آگ میں پھول	نہ ان کی ہار نئی ہے نہ اپنی جیت نئی

اسی سبب سے فلک کا گلہ نہیں کرتے
ترے فراق میں ہم دل برا نہیں کرتے

طاہر عارف صاحب کا انشائیہ

میں آپ کا تہہ دِل سے مشکور ہوں کہ آج آپ نے مجھے یہاں مدعو کیا تا کہ ٹی آئی کالج کے حوالہ سے ہم کچھ پرانی یادوں کو تازہ کریں اور کچھ نئے جذبے لیکر یہاں سے جائیں۔ اسی طرح آج کی اس شعری نشست کے حوالے سے میں ایک شاعر ہونے کی حیثیت سے سامعین مہیا کرنے پر بھی آپ کا مشکور ہوں۔

سامعین! ساحرلدھیانوی نے اپنے مجموعہ کلام ''تلخیاں'' کے سرنامے پر ایک خوبصورت شعر لکھا ہے:

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ لوٹا رہا ہوں میں

دراصل ادب خواہ نثر ہو یا نظم اسی شعر کا عکاس ہوتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ:

"Literature is Life as seen by the author"

وہی دنیا ہے، وہی کائنات، وہی رنگ و موسم ہیں۔ لیکن ہر شخص کے محسوسات و مشاہدات مختلف ہیں۔ یہیں سے ادب تخلیق ہوتا ہے اور اسی تنوع میں ادب پروان چڑھتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر انسان کے تخیلات اور اظہار و بیان میں بھی ایک تنوع ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم کہ شعلہ بھی ہیں، شبنم بھی
تو نے کس رنگ میں دیکھا ہے ہمیں

اس موقعہ پر مجھے پنجابی کا ایک لطیفہ یاد آرہا ہے جو آپ کی اجازت سے پیش کرنا چاہوں گا وہ اس ماحول میں ادب کے معیار پر تو شاید پورا نہ اترے مگر جیسا کہ کالج کے زمانہ میں ہمارے ممتحن ہر سوال کے ساتھ لکھا کرتے تھے کہ مثال دیکر واضح کریں۔ اس لحاظ سے میرا خیال ہے کہ اسے بطور مثال پیش کرنا نہایت ضروری ہے تا کہ واضح ہو سکے کہ ادب کا محسوسات اور اظہار و بیان سے کیا رشتہ ہے۔

کہتے ہیں کسی دیہاتی کا لڑکا پڑھ لکھ گیا اور اردو ادب پڑھانے لگا۔ اس کی شادی اپنے ہی گاؤں کی ایک دیہاتی دوشیزہ سے ہوگئی۔ شادی کی روایتی مصروفیتوں اور رونقوں سے وقت نکال کر اس نے سوچا کہ چاند کی چودھویں رات کا لطف اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ وہ اپنی نو بیاہتا دلہن کو ساتھ لے کر باہر کھیتوں کی طرف نکل گیا اور بڑے رومانوی انداز میں چاند اور اس کی چاندنی کا تذکرہ کیا اور اپنی دلہن کا چاند کے ساتھ موازنہ کیا۔ ایک چاند میرے ساتھ ہے ایک چاند آسمان پر ہے اور یہ کہ چاند بھی آج رات کتنا خوش ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

کوئی پون گھنٹے کی تقریر اور ادب بگھارنے کے بعد اسے خیال آیا کہ اب اپنی دلہن کو بھی بولنے کا موقع دینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے دلہن سے کہا آپ بھی کچھ فرمائیے!

بیچاری دلہن سادہ اور دیہاتی تھی۔ اسے جب یہ ناگہانی سوال پیش آیا تو یکدم اپنی طبعی سادگی میں یہ کہنے لگی ''اگلے چن ساڈی مج سوئی ایں''

تو اس بیچاری کے چاند کے حوالہ سے یہی محسوسات تھے اور یہی مشاہدات۔ اس لمبی تمہید کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ٹی آئی کالج کے حوالے سے میں جو کچھ بھی بیان کروں گا وہ میرے تجربات اور مشاہدات کا عکس ہوگا۔ لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی کا احساس ہو تو وہ کالج کی reflection نہیں بلکہ میری ذاتی یا میرے اظہار بیان یا مشاہدے کی کمی اور کمزوری ہوگی۔

میں اپنی بات کا آغاز ایک نہایت خوبصورت احساس سے کر رہا ہوں جو کہ بہار کے ایک تازہ، معطر اور فرحت بخش جھونکے کی طرح میرے تخیل کو مہکا دیتا ہے۔ احوال اس پر لطف بے خودی کا یہ ہے کہ ایک سال سے کچھ زائد عرصہ ہوا کہ حکومت پاکستان کے ایک سینئر جائنٹ سیکرٹری جو غیر از جماعت ہیں، ٹی آئی کالج میں ہمارے ہم جماعت تھے۔ انہوں نے مجھے فون کیا اور پوچھنے لگے کہ کبھی حضرت صاحب سے ملاقات کا کیا طریق ہے؟ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا یورپ جا رہا ہوں اور واپسی پر ارادہ ہے کہ تمہارے حضرت صاحب اور ہمارے کلاس فیلو مرزا مسرور احمد صاحب سے ملاقات کر کے آؤں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ خیال کیسے آیا؟ تو کہنے لگے کہ کبھی تم نے سوچا ہے کہ ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ اتنے بڑے مرتبے کے وجود کے ہم جماعت رہے ہیں۔ مذہبی اختلاف برطرف! میں چاہتا ہوں کہ آنے والی نسلوں کیلئے ایک سند چھوڑ جاؤں کہ ہم حضور کے کلاس فیلو رہے ہیں اور ہو سکے تو ایک تصویر بھی بنوالاؤں۔

بہرحال میں نے انہیں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے ذریعہ رابطہ کرنے کو کہا۔ جس پر حضور کے حکم پر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے مجھ سے استفسار کروایا کہ کیا واقعی وہ ہمارے کلاس فیلو ہیں اور جماعت کے ساتھ کیسا تعلق رکھتے ہیں؟

چنانچہ وہ حضور سے ملے اور واپسی پر بڑے فخر سے اس ملاقات کا احوال سنایا۔ یہ احساس پہلے بھی تھا لیکن ان کے احساس دلانے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم الاسلام کالج کے حوالے سے میری پہلی یاد سب سے حسین اور سب سے قابل فخر یاد یہی ہے کہ مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہم جماعت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اور یہ فخر ٹی آئی کالج کا بھی ہے کہ وہاں کے ایک سٹوڈنٹ آج جماعت احمدیہ عالمگیر کے امام اور دنیا کے سب سے اہم شخص ہیں:

وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم مرا محبوب نظر تو دیکھو

بات کلاس فیلوز سے چلی ہے تو ہمارے اس زمانہ کے ایک دوست جو کہ ابھی ابھی یہاں سیڑھیوں سے گر کر ہسپتال گئے ہیں، جناب رفیق اختر روزی صاحب! ان کے حوالے سے ایک واقعہ یاد آ گیا جو کہ اگر غیبی امداد نہ ہوتی تو ہمیں ''لکوں'' ہی لے گیا تھا۔ ہوا یوں کہ موصوف الیکشن لڑ کر ٹی آئی کالج سٹوڈنٹس یونین کے اسسٹنٹ سیکرٹری منتخب ہوئے تو انہیں ڈیبیٹس کا شوق چرایا۔ چنانچہ اس عاجز کو فرمایا کہ مجھے ایک تقریر لکھ دو۔ ہم نے بھی حامی بھر لی کہ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ مگر مجھے کسی ضروری کام سے گھر جانا پڑ گیا اور پھر ہماری تعطیلات شروع ہوگئیں اور ان کی تقریر نہ لکھی جا سکی تاوقتیکہ مقابلے کا دن آن پہنچا۔ اس حصے کو سینسر کرتے ہوئے کہ ان کے ساتھ اس دن کیا ہوا، انہوں نے غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے مجھ عاجز کو ایک خط لکھ مارا اور خوب رگیدا کہ تمہاری وعدہ خلافی اور بے اعتنائی نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا اور میری خوب جگ ہنسائی ہوئی ہے۔ تمہاری بے وفائی اور ظالمانہ روّیہ سے مجھے دنیا کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض بڑی درد بھری داستان لکھی اور غصے میں نیچے یہ بھی نہ لکھا کہ تمہارا دوست یا مخلص، صرف 'روزی' لکھ دیا۔

وہ خط کسی طرح محکمہ ڈاک کی نوازش سے کھلا ہوا ہمارے گھر پہنچا تو ہماری والدہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کے ہاتھوں کے تو طوطے اُڑ گئے اور انہوں نے 'روزی' کا وہی درد بھرا خط ابا جان کو بھی پیش کر دیا۔ ان کے بھی اوسان خطا ہو گئے کہ یہ کیا ہوگیا؟

ہماری ڈھنڈیا پڑی اور ہم جب بدیر گھر پہنچے تو گھر والوں کے تیور اچھے نہ تھے۔ ہماری بہن جو ہم سے بڑی ہیں ایک جابر داروغے کی طرح پکڑ کر ہمیں والدین کے کمرے میں پہنچیں اور ان کے روبرو پیش کر دیا۔ ہماری والدہ پھٹ پڑیں کہ کون ہے یہ کمبخت روزی؟ اور یہ کہ تم نے کیا وعدے کئے تھے اس سے۔

قصہ مختصر کہ موصوف نے چونکہ یونین کے لیٹر پیڈ پر ہی یہ خط لکھا تھا اور ہماری خوش قسمتی کہ اُس کاغذ پر نظر پڑ گئی جس پر کالج یونین کے عہدیداروں کے نام لکھے ہوئے تھے اور اسسٹنٹ سیکرٹری کے سامنے رفیق اختر روزی لکھا ہوا تھا۔ ہم نے وہ کاغذ دکھایا تو ہماری جان چھوٹی اور والدین کی جان میں جان آئی۔

(باقی آئندہ)

تعلیم الاسلام کالج
اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران

قسط اوّل

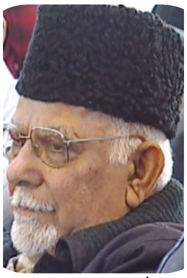
قریشی عبدالرشید صاحب
عرصۂ تعلیم 1948-1952ء

شیخ رشید احمد صاحب
عرصۂ تعلیم 1948-1952ء

سید نصیر احمد صاحب
عرصۂ تعلیم 1962-1966ء

مطیع اللہ درد صاحب
عرصۂ تعلیم 1951-1955ء

بشیر احمد رفیق صاحب
عرصۂ تعلیم 1946-1953ء

سید حسن خان صاحب
عرصۂ تعلیم 1966-1971ء

مظفر احمد چٹھہ صاحب
عرصۂ تعلیم 1957-1959ء

محمد اسحاق ناصر صاحب
عرصۂ تعلیم 1976-1978ء

ناصر جاوید خان صاحب
عرصۂ تعلیم 1969-1970ء

عطاء الاعلیٰ ظفر صاحب
عرصۂ تعلیم 1981-1983ء

باقی آئندہ

طاہر عارف صاحب کے ساتھ ادبی نشست کی چند تصاویر

تعلیم الاسلام کالج اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر ”المنار“ میں

باہمی تعارف کو وسعت دینے اور ریکارڈ کا حصہ بنانے کی غرض سے تعلیم الاسلام کالج اولڈسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے ممبران کی تصاویر المنار میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے۔ ممبران سے گذارش ہے کہ اپنی تصویر اور تعلیم الاسلام کالج میں عرصہ تعلیم کی تفصیل بذریعہ ای میل یا بذریعہ ڈاک مجلس ادارت کو بھجوا کر ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔